بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

فلسفہ کی نظری موشگافیوں کے بارے میں کسی نے کہا ہے کہ ان کا حال اس اندھے کی مساعی کا ہے جو ایک تاریک کمرہ میں ایک کالی بلی پکڑنے کے لیے کرتا ہے جو دراصل وہاں موجود ہی نہیں! بس یہی کچھ حال حالی سیاسی بساط پر پاک بھارت مذاکرات کا بھی ہے! اگر نیت مسائل کا حقیقی حل تلاش کرنے کی ہو ہی نہیں اور ساری کدوکاوش وقت گذاری اور معاملات کو الجھانے کی ہو تو پھر مذاکرات "نشستند و گفتند، و برخاستند" سے آگے بڑھ ہی نہیں سکتے۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۴ء تک ہندوستان کے ساتھ پاکستان کے جو بھی دو طرفہ مذاکرات ہوئے ہیں ان میں بد قسمتی سے کبھی کوئی پیش رفت نہیں ہوئی اور حالت رہی کہ

ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

تقریباً نصف صدی پر کیے ہوئے ناکام تجربات کی اس تاریخ کا جائزہ مستقبل کی پالیسی سازی اور حکمت عملی کی تشکیل کے لیے از بس ضروری ہے۔ ایک ہی سوراخ سے بار بار ڈسے جانا کسی سمجھدار فرد یا قوم کا طریقہ نہیں ہو سکتا۔ ماضی کے تجربات کی روشنی میں ہندوستان کے وعدوں پر اعتماد اور اس کی چکنی چپڑی باتوں پر بھروسہ بڑا مہنگا سودا ہے۔ تقسیم ملک کے فیصلہ اور تقسیم وسائل کے وعدوں سے لے کر آج تک ہندوستان کے قول اور عمل اور اس کے وعدے اور پالیسی کا جائزہ لیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ

جام مے توبہ شکن، اور توبہ میری جام شکن
دور تک ڈھیر ہے ٹوٹے ہوئے پیمانوں کا

یہی وجہ ہے کہ قائداعظم نے ہندوستان کی ہندو قیادت سے پچاس سالہ تجربہ کے بعد اس کی حقیقی نفسیات اور عزائم کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ تقسیم ملک کا مطالبہ حالات کے اسی معروضی تجزیہ کا نتیجہ تھا۔ اپنے اس حاصل تجربہ کو قائد نے شیخ محمد عبداللہ کو تقسیم ہند سے قبل چند چبھتے جملوں

میں بیان کر دیا تھا۔ شیخ عبداللہ اپنی سوانح عمری "آتش چنار" میں قیام پاکستان سے تھوڑا قبل قائد اعظم سے دہلی میں اپنی ملاقات کا حال بیان کرتے ہیں۔

قائداعظم نے نوجوان شیخ عبداللہ کی پوری تقریر جو تصورِ پاکستان کے خلاف اور ہندوؤں کے ساتھ مشترک سیاسی عمل کی ضرورت سے متعلق تھی سنی اور پھر جو نصیحت شیخ عبداللہ کو کی اس پر غور و فکر اور عمل کی ضرورت کل کے شیخ عبداللہ کے لیے تو تھی مگر آج کی پاکستانی قیادت اور خصوصیت سے ہندوستان پالیسی بنانے والوں کو اس کی ضرورت سب سے زیادہ ہے شیخ عبداللہ لکھتے ہیں:

"جناح صاحب کچھ بے تابی سے میری باتیں سنتے رہے۔ ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے لگتا تھا کہ وہ ان باتوں سے خوش نہیں لیکن حق یہ ہے کہ انہوں نے کمال صبر سے میری ساری گفتگو سنی اور آخر ایک مرد بزرگ کی طرح فہمائش کے انداز میں کہنے لگے"

"میں آپ کے باپ کے مانند ہوں اور میں نے سیاست میں اپنے بال سفید کیے ہیں۔ میرا تجربہ ہے کہ ہندو پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا یہ کبھی آپ کے دوست نہیں بن سکتے۔ میں نے زندگی بھر ان کو اپنانے کی کوشش کی۔ لیکن مجھے ان کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ وقت آئے گا تو آپ کو میری بات یاد آئے گی اور آپ افسوس کریں گے"۔ ("آتش چنار" ص ۳۰۹-۳۱۰)

شیخ عبداللہ نے افسوس کیا یا نہیں لیکن جو کچھ ہندوستانی قیادت نے شیخ عبداللہ کے ساتھ کیا وہ ساری دنیا کے لیے ایک نقشِ عبرت ہے۔ افسوس کہ قائداعظم کے اس حقیقت پسندانہ تجزیہ کو خود پاکستان کی قیادت بھول گئی ہے اور اسے بھول پن کہا جائے یا حماقت لیکن حال یہ ہے کہ

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

ہندوستان کے بارے میں پالیسی کی تشکیل بڑا ہی نازک اور کثیر جہتی عمل (Multidimentional Process) ہے اس عمل کو مفید اور نتیجہ خیز بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ایک طرف پاک بھارت مذاکرات کا معروضی جائزہ لیا جائے اور تاریخ کے جھروکے میں جھانک کر متعین کیا جائے کہ ہندوستان کیا کھیل کھیلتا رہا ہے اور ہندوستان کے عزائم و عسکری تیاری

دوسرے ممالک خصوصیت سے ہمسایہ ممالک کے بارے میں اس کی پالیسی کے تنقیدی مطالعہ کی روشنی میں اپنے پالیسی اہداف اور حکمت عملی کا تعین کیا جائے۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد کی تازہ پیشکش اس سمت میں ایک اہم قدم ہے۔

اس مطالعہ میں ہمارے نوجوان رفیق کار ارشاد محمود نے گذشتہ پچاس سال کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ حقائق بلاکم وکاست پیش کئے ہیں اور ان نکات پر توجہ کو مرکوز کیا ہے جن سے ہندوستان کے ذہن، اس کے اہداف، اس کی حکمت عملیوں اور اس کی شاطرانہ چالوں کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ مختصر ہونے کے باوجود یہ مطالعہ ماضی کا ایک ایسا آئینہ ہے جس میں اس دور کے مذاکرات اور ان کے حاصل کا حقیقی چہرہ دیکھا جاسکتا ہے، اس مطالعہ کو مفید تر بنانے کے لیے چند ضروری دستاویزات کا متن بھی شامل کر دیا گیا ہے اور اس پوری بحث کو ایک تجزیاتی فریم ورک فراہم کرنے کے لیے میری وہ تقریر بھی اس میں بطور مقدمہ شامل کی جارہی ہے جو خارجہ پالیسی کی بحث میں پاک بھارت تعلقات کے بارے میں میں نے سینٹ میں کی تھی۔ اس تقریر میں ان بنیادوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے جن پر ایک حقیقت پسندانہ اور مؤثر پالیسی تشکیل دی جاسکتی ہے۔

توقع ہے کہ یہ کتاب پاکستان کے پالیسی ساز اداروں کے کارپردازوں ہی کے لیے مفید نہ ہو گی بلکہ ایک عام قاری بھی اس کے ذریعے حالات کا بہت بہتر فہم حاصل کر سکے گا اور ملک کے سیاسی مستقبل کی تعمیر میں زیادہ بہتر کردار ادا کر سکے گا۔

خورشید احمد
اسلام آباد
۱۷ مئی ۱۹۹۴ء